Regd. No. L 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12

جلد ۲۶ - شمارہ ۲۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جولائی ۱۹۶۷ء

ڈاکٹر سید سلیمان حسین

برق لکھنوی ـــــ شاگرد ناسخ

(گذشتہ سے پیوستہ)

برق عہد امجد علی شاہ بہادر (متوفی ۱۲۶۳ھ) میں تمام فوج کے بخشی رہے۔ نواب واجد علی شاہ کے زمانہ میں ترقی کی اور بادشاہ کے مصاحب خاص اور استاد ہوئے اس وقت بھی رسالۂ مینۂ شاہی میں پانچ سو سپاہیوں کے رسالہ دار رہے اور فوج کی آراستگی و دیگر انتظامات انھیں کے ذمہ تھے۔[1]

نواب نصیر الدین حیدر کے عہد میں برق اپنے مکان پر ہر ماہ کی چاند رات کو ایک مشاعرہ بڑی دھوم دھام اور خاص اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی نے فسانۂ عجائب (۱۲۴۰ھ) کے دیباچہ میں اس مشاعرہ کی بڑی تعریف کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ایک بندے کے شفیق، جگت آشنا مرزا محمد رضا، مجمع خوبی خوبی از پا تا فرق تخلص برق، فی الحقیقت ان کا کلام صاعقۂ خرمن ہستی حاسد ہے شاعروں کا بازار ان کے روبرو کاسد ہے، جوان، خوش رو، بہادر، آشنائے بامزہ نیک خو شب ماہ صحبت مشاعرہ معین ہے رئیس شہر صغیر و کبیر تشریف لاتے ہیں لطف جدید اٹھاتے ہیں اس مکان وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی قلت ہوتی ہے ہوا کی کشمکش سے بار پانی ہے جب پنکھے کی سعی اٹھاتی ہے تلامذۂ مرزائے ممدوح خدمت کو حاضر کو رہے کو لیے مدارئے وسیدم، گلوریاں لبی متواتر، قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا ہو جاتا ہے کوئی پیتا ہے کوئی کھاتا ہے اگر چاہا کسی کو چائے کی ہوئی تو فوراً دودھ جیتے بے تک شیر چائے موجود کی ہمیشہ شام سے صبح ہوئی کسی کی طبیعت نہ گھبرائی جانے والوں کو صدائے مرغ سحر و ندائے اللہ اکبر سنا آتی تک"[2]

انتزاع سلطنت اودھ (۱۸۵۶ء) کے بعد جب واجد علی شاہ بہادر کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے تو برق اپنی ضعیفی کے باوجود ان کے ہمراہ تھے۔ بادشاہ نے ہر چند منع کیا مگر شوق جاں نثاری میں وہ نہ ملنے اور ساتھ ہو لیے سوانحات سلاطین اودھ کے مصنف میر محمد باقر کا بیان ہے کہ جب لکھنؤ سے چلے تھے اکثر دوستوں سے کہتے تھے کہ میری مشت استخوان مشتاق خاک کلکتہ ہو رہی ہے بہر حال اپنے حقوق دلی نعمت ادا ہوئے[3] واجد علی شاہ نے ان خدمات کو مثنوی حزن اختر میں یوں نظم کیا ہے ؎

ضعیفی میں تھا فتح دولہ کا حال / چراغ سحر کی طرح تھے نڈھال
کہا میں نے ہر چند تم ہو ضعیف / نہ اٹھے گا تم سے یہ بار ضعیف
انھوں نے کہا میں تو ہوں جاں نثار / خدا تم کو رکھے سلامت ہزار
مرے تن میں جب تک ہے جاں بادشاہ / نہ چھوڑوں گا تم کو خدا ہے گواہ

کلکتہ پہنچ کر جون ۱۸۵۶ء میں بادشاہ قلعۂ فورٹ ولیم میں نظر بند کر دئے گئے جہاں کی تکلیفیں برق سے نہ سہی گئیں اور وہ وہیں بیمار پڑ گئے کئی مہینے اسی عالم میں کٹے آخر حالت غیر ہونے لگی تو کوٹھی موچی کھولا لائے گئے جہاں دو تین دن بعد ۲۸ صفر ۱۲۷۳ھ کو تپ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا اور میر احمد سوداگر کے امام باڑے میں مدفون ہوئے۔ اس سانحہ کا بادشاہ پر سخت اثر ہوا۔ انھوں نے مثنوی حزن اختر میں اپنے دلی رنج و غم کا اظہار یوں فرمایا ہے ؎

کلیجہ مصیبت سے ہلنے لگا / جگر خار فرقت سے چھلنے لگا
ہوا قید خانے میں غمگیں میں اور / مصیبت کے بے ڈھب تھے طور
ہوئی سن جو تپ میں یہ واردات / دہن سے نہ نکلی مرے ایک بات
کیا صبر میں نے کلیجہ کو تھام / جو تپ نے کیا تو مرا ان کا تمام

برق کے انتقال کے بعد ان کا درماہہ بادشاہ نے ان کی بی بی کے لیے مقرر کر دیا۔ لکھنؤ کی املاک امام باڑہ وغیرہ بہت دعا مانگ مانگ کر بنوایا تھا وہ بھی گیا گزرا۔[4]

---

[1] ذکر فتح الدولہ بہادر بخشی الملک رسالہ دار رسالۂ مینۂ شاہی واستاد بندہ۔ مثنوی حزن اختر از واجد علی شاہ۔

[2] سوانح لکھنؤ۔

[1] فسانۂ عجائب، مطبع محمدی، کانپور ۱۲۶۰ھ

[2] سوانحات سلاطین اودھ جلد دوم صفحہ ۳۰۹

[3] سوانحات سلاطین اودھ جلد دوم

ان کے دو بھائی اور تھے مرزا آغا جان اور مرزا جعفران دونوں نے بھی کلکتہ میں انتقال کیا۔ برق اور آغا جان تو لاولد رہ گئے مرزا جعفر کے ایک ہی بیٹے مالک الدولہ صولت تھے جن کا ایک بیٹا ہوا اور وہ بھی باپ کے سامنے فوت ہو گیا اس طرح ایک عالم دین شاعر اور بہادر کے خاندان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

برق بہت پرگو تھے ان کے دیوان میں غزلوں کے علاوہ مخمسات و قطعات تاریخ موجود ہیں۔ ایک واسوخت مجموعہ واسوخت مطبوعہ ۱۲۶۵ھ میں شامل ہے یہی واسوخت نعمانی پریس نے شعلہ جوالہ میں بھی چھاپا تھا۔ ایک شہر آشوب جو بہت پر اثر ہے کلکتہ میں چھپ چکا ہے۔ علامہ نظم طباطبائی کا بیان ہے کہ انھوں نے مرثیے بھی کہے۔ دیوان ان کی زندگی میں بہت خوش خط اور عمدہ کاغذ پر مطبع سلطانی لکھنؤ سے ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں ۲۷۲ صفحوں پر شائع ہوا تھا (فی صفحہ لگ بھگ ۱۳ سطریں) اس دیوان کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے "الحمد للہ والمنۃ حسب الحکم قدر قوام حضرت اقدس و اعلیٰ منصور ناصر الدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زماں سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ... دیوان فتح الدولہ بہادر در مطبع سلطانی باہتمام کپتان مقبول الدولہ مرزا محمد مہدی علی خاں بہادر قبول بہ تصحیح نواب امیر علی خاں ہلال بخط خانہ زاد محمد خورشید مرزا باختتام رسید" دیوان کا انتخاب حسرت موہانی نے رسالہ اردوئے معلیٰ میں بھی چھاپا ہے۔

برق کی مشاقی اور قادر الکلامی میں شک نہیں مگر ان کی شاعری کا وہی رنگ ہے جو ان کے دور میں مقبول تھا پھر بھی کلام معاصرین کے مقابلے میں پیچیدہ تشبیہوں اور دور از کار استعارات سے بڑی حد تک پاک ہے۔ زبان صاف ستھری کلام میں مزہ اور بڑی روانی ہے۔ اخلاقی مضامین بھی خوب نظم کرتے ہیں۔ ذیل میں مطبوعہ دیوان سے منتخب اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

شب فراق کا صدمہ سہا نہیں جاتا — حرام موت نہ ہوتی تو زہر کھا جاتا
نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی — اچھا ہوا جو خاک میں تم نے ملا دیا

سامنے پھر رہی ہے آمد یار — شور محشر مری نظر میں ہے

نہیں ممکن کہ رہے عشق سے دنیا خالی — قیس وارفتہ گیا برق کی باری آئی

عشق ہوگا جو کسی سے تو کھلے گا احوال — ہم بھی پوچھیں گے مزاج آج کہو کیسا ہے

بے خط کیوں مصحف رخ ہو شباب میں — قرآن آئے اور کہاں سے جواب میں

تسبیح تیرے نام کی دل سے نہ چھوٹے گی — ممکن نہیں یہ سبحہ کبھی بے امام ہو

کل اس کا پڑھا نام کی تسبیح رہی — کافر اس پر بھی نہ سمجھا وہ مسلماں مجھ کو

ایک غزل ملاحظہ ہو ۔

قیس کا نام نہ لو ذکر جنوں جانے دو — دیکھ لینا کہ تم موسم گل آنے دو
ضبط کی تاب نہیں ہجر میں چلانے دو — جوش وحشت ہے جدھر جاؤں ادھر جانے دو
بادشاہی سے نہیں سلطنت عشق بھی کم — جمع ہوتے نہیں باہم کبھی دیوانے دو
ضبط کا مجھ سے تقاضا ہے کہ لازم ہے سکوت — دل بیتاب یہ کہتا ہے کہ چلانے دو
ناصحا اس کی تجلی نے جلایا ہے مجھے — ماہ و خورشید ہیں جس شمع کے پروانے دو
قیس و برق ایک ہیں ان کا نہیں ہمسر کوئی — خلق خالق نے کیے ہیں یہی دیوانے دو

انھوں نے لکھنؤ کی تباہی پر ایک بڑا درد انگیز "شہر آشوب" لکھا تھا جس کے کچھ حصے ملاحظہ ہوں ۔

کل کے مذکور ہیں اپنے بھی افسانے تھے — رشک فردوس بریں شہر کے میخانے تھے
تھانیاں پیروں کی قمیص لعلوں کے تھے — ماہ و خورشید رخ شمع کے پروانے تھے
سب ہوا خواہ سلیماں کہا کرتے تھے — رات دن پریوں کے جھرمٹ میں رہا کرتے تھے
چہچہے اڑتے تھے جنگل تھے پریزادوں کے — میلے ہر روز ہوا کرتے تھے آزادوں کے
نالے سنتے تھے نہ ہرگز کبھی فریادوں کے — کبھی آگاہ نہ تھے نام سے بیدادوں کے
کیا کہیں کس سے کہیں ہائے وہ صحبت کیا تھی — راجہ اندر کے اکھاڑے کی حقیقت کیا تھی
بیٹھے کوٹھے سے جو پڑتے تھے ہماری نظریں — آنکھوں سے جھانکتی تھی باد بہاری نظریں
غیرت گلشن فردوس تھیں ساری سڑکیں — رہتی ہے جس پہ نظر ہائے وہ پیاری سڑکیں
لکھنؤ کی انھیں گلیوں میں پھرا کرتے تھے — عرش ہیں آنکھ کے تماشائی گرا کرتے تھے

دعوے حلم کے حسینوں سے رہا کرتے تھے — روز جینے کو محرم ہی کہا کرتے تھے
آنسو کیا مرثیوں کو سن کے بہا کرتے تھے — رنج فرقت میں نہ اس طرح سہا کرتے تھے
کالے کپڑوں سے جو رخسار نظر آتا تھا — دامن شب میں قمر شرم سے چھپ جاتا تھا
گر کہیں جاتے تھے ملتے تھے کبھی راہ میں ہم — دیکھ لیتے تھے کبھی دور سے درگاہ میں ہم
جانتے تھے کہ اسی طرح گزر جائے گی — چمن عیش میں ہرگز نہ خزاں آئے گی
آرزو نخل محبت سے ثمر پائے گی — یہ نہ سمجھے تھے قضا رنگ نیا لائے گی
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد — روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آج پانی بھی نہیں منہ میں چوانے والے — دور سے بھاگتے ہیں پاس کے آنے والے
منہ نہیں دیکھتے صورت کے دکھانے والے — بھاگے جاتے ہیں محبت کے کھلانے والے
غم میں کیونکر نہ مژہ اشکوں سے تر ہو اپنی — مر بھی جائیں تو کسی کو نہ خبر ہو اپنی

سخت جانی سے فقط جیتے ہیں جینا کیسا — پانی خنجر ہے نہیں پیاس میں پینا کیسا
اب وہ نوچندی کہاں اور مہینا کیسا — ہے کہاں جام کہاں قلقل مینا کیسا
موت تابوت نہیں ورنہ بڑی بات نہ تھی — جائے عبرت ہے کبھی اپنی یہ اوقات نہ تھی
اب کبھی آ جائیں جو وہ پھر وہی صورت ہو جائے — وہی ہنسیاں وہی چہلیں وہی عشرت ہو جائے
موت جینے سے کہیں اپنے لیے بہتر ہے — بالش خشت ہیں تو ہر اک نفس خنجر ہے
تکیہ ہے خشت لحد فرش زمیں بستر ہے — در میں آغوش اجل گور ہے بدتر گھر ہے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

شریمتی چاندرانی

منشی رام سہائے تسلیم علی گڑھی جنھیں دھوکے سے حضرت قمر بدایونی مرحوم نے تجلیات سخن " میں شعرائے بدایوں میں شامل کر لیا ہے بدایوں سے ان کے خاندان کا کوئی تعلق نہیں تھا ان کے دو دیوان غنچہ مراد و نغمۂ آرزو مطبوعہ بدایوں وکٹوریہ پریس سے شائع ہو کر مقبول عام ہوئے ان کے بڑے صاحبزادے منشی بہاری لال حلیم کی اہلیہ شریمتی رام کنور تخلص سادہ کی تین تصانیف "کیلاش یاترا" "درگا چرتر" اور "بھجن بہار" اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع ہوئیں ان کی دختر شریمتی راج رانی کنور جو ہیرا کنور کے نام سے مشہور ہوئیں اردو اور ہندی میں چند کتابوں کی مصنفہ تھیں۔ شریمتی چاندرانی انھیں ہیرا کنور کی دختر نیک اختر تھیں ۱۹ مئی ۱۸۸۹ء کو بریلی کے ایک سکسینہ کایستھ خاندان میں پیدا ہوئیں آپ منشی لکشمی نرائن جوہری رئیس بریلی کی صاحبزادی اور منشی رام سہائے تسلیم شاگرد رشید حاتم علی مہر کی نواسی تھیں۔ آٹھ سال کی عمر تک آپ کی والدہ نے آپ کو اردو، ہندی اور انگریزی کی تعلیم اور علم حساب خود ہی پڑھایا اور اس کے بعد اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی گھر پر ہی اٹھارہ سال تک اردو، فارسی، ہندی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں آپ کی شادی بابو الفت رائے بی۔ اے کے ساتھ ہوئی جو اجمیر کالج میں کرکٹ کے کپتان تھے وہ کسی میچ کی تیاری میں تھے کہ ظالم موت کا پیغام آگیا بازار سے نمکین سالٹ کی جگہ زہر زنک آف سالٹ آگیا جسے پی کر وہ چاندرانی کو روتا بلکتا چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوئے ان کے انتقال پر ملال سے چاندرانی کی زندگی پر الم ہو گئی اس لیے ان کی والدہ نے ان کو یاد الٰہی اور اردو لٹریچر کی خدمت میں لگا دیا۔ شریمتی ہیرا کنور اور شریمتی چاندرانی دونوں نے عورتوں میں مذہبی تعلیم کے پرچار کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق بھی پیدا کرنے کی کوشش کی شریمتی چاندرانی نے ساری زندگی اردو ادب کی خدمت کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ رسالہ "ادیب" الہ آباد رسالہ "زمانہ" کانپور "چاند" لاہور اور اردو کے دوسرے رسالوں میں آپ کے مضامین شایع ہوتے تھے ان مضامین کی اردو کے بڑے بڑے نقادوں جیسے عزیز مرزا، مولانا شبلی، پریم چند دیا نرائن نگم اور حضرت جگر بریلوی نے تعریف کی تھی ۱۹۱۵ء میں سناتن دھرم کے لیڈر پنڈت کالو رام شاستری سے آپ کا معرکہ آرا مذہبی بحث و مباحثہ ہوا جس میں مہاراجہ کشمیر نے آپ کی قابلیت کو دیکھ کر آپ کو ایک گراں قدر انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ ۱۹۱۶ء تک آپ کی والدہ حیات رہیں اس کے بعد جیسے ہی ان کی وفات ہوئی چاندرانی ان کی فرقت میں بیتاب ہو گئیں اور رات دن ان کی یاد میں روتی رہتی تھیں اور ایک سال کے اندر ۲۶ ستمبر ۱۹۱۷ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ چاندرانی کی وفات پر اردو اور ہندی کی ادبی دنیا میں ایک کہرام مچ گیا تھا اخباروں اور رسالوں نے ان کی وفات پر ان کی ادبی خدمات کے سلسلے میں مضامین شایع کیے تھے لیکن آج کوئی چاندرانی کا نام تک نہیں جانتا۔ چاندرانی اردو کی پہلی خاتون مضمون نگار ہے جس کے اردو مضامین کے ترجمے ہندی اور بنگالی زبانوں میں شایع ہوئے ہیں۔ چاندرانی کا ایک مقالہ "یادماں" کے عنوان سے "زمانہ" اکتوبر ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا ہے۔ منشی دیا نرائن نگم اس مقالہ پر نوٹ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مضمون نگار "زمانہ" میں شریمتی چاندرانی صاحبہ کا نام خاص طور سے قابل الذکر ہے مگر افسوس اب ان کی قلمی احسانات کی فقط یاد ہی باقی رہ گئی ہے وہ خود اس دنیائے فانی میں ملک کی علمی خدمت میں حصہ لینے کے لیے موجود نہیں ہیں۔ چاندرانی کی ذات باصفات سے ملک کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں آہ یہ سب خاک میں مل گئیں مرحومہ بریلی کی ایک کایستھ خاتون تھیں دل عمر ہی میں انھیں بیوگی کا داغ نصیب ہوا مگر ایک قابل اور نیک سرشت ماں نے ان کو زیور علم سے آراستہ کر دیا چنانچہ آپ نے اپنی زندگی مطالعہ کتب کے لیے وقف کر دی تھی آپ کی والدہ ماجدہ شریمتی ہیرا کنور دیوی صاحبہ اپنے وقت کی قابل لیڈی تھیں اور بہت سی مذہبی کتابیں ان کی یادگار ہیں پہلے آپ پھر لائق بیٹی راہی ملک بقا ہوئیں ماں کو بیٹی کا ماتم دیکھنا نہیں پڑا مگر چاندرانی صاحبہ کو اپنی ماں کی مفارقت کا داغ سہنا پڑا اسی حادثہ پر جو آپ کے لیے ایک سانحہ عظیم تھا آپ نے اپنے دلی جذبات قلمبند فرما کر ہمارے پاس بغرض اشاعت ارسال فرمائے تھے عرصہ سے یہ مضمون ہمارے پاس رکھا ہوا ہے آج ہم آپ کی قلمی احسانات کے شکر گزاری میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں"

شریمتی چاندرانی کے مضامین کا کوئی اردو مجموعہ شائع نہیں ہوا لیکن ان کے اردو مضامین کے دو مجموعے ہندی اور بنگالی زبان میں اردو سے ترجمہ ہو کر شایع ہو چکے ہیں، ہندی میں شایع ہونے والے مضامین کے مجموعہ کا نام "مہلا گورو" (महिला गौरव) ہے چاندرانی کے مضامین کے سلسلے میں منشی دیا نرائن نگم "زمانہ" کے جوبلی نمبر میں تعزیت نگار:

"دوسری بہن شریمتی چاندرانی کو پرلوک سدھارے ہوئے کئی سال ہو گئے لیکن ان کے متعدد و مختلف مضامین جو "زمانہ" میں شایع ہو چکے ہیں عرصہ دراز تک ان کے زور قلم اور فکر بلند کی یاد دلاتے رہیں گے۔ چاندرانی صاحبہ ایک لائق ماں کی لائق بیٹی تھیں گھر پر ہی تحصیل علم کیا تھا مگر سادہ و موثر عبارت میں دلی جذبات قلم بند

کرنے کا موقعہ نہیں ملا کہ حاصل ہو گیا تھا عنفوان شباب ہی میں اپنی رفیق زندگی سے ان کا ساتھ چھوٹ گیا تھا مگر شوہر کے بیوگ میں تمام عمر رونے دھونے میں کاٹنے کے بجائے انھوں نے ملک کی علمی خدمت کا تہیہ کیا تھا افسوس زندگی نے وفا نہ کی ورنہ ان کی ذات گرامی پر ہمارے صوبہ کو بہت کچھ فخر حاصل ہوتا۔

چاند رانی کو شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا ان کی بہت سی نظمیں اور رباعیاں "مارننگ" لاہور میں شایع ہوئی ہیں۔ بیس سال کی عمر میں چاند رانی نے پانسو سے زیادہ رباعیاں لکھی ہیں جب کہ ہمارے شعرا اس وقت رباعیاں لکھتے ہیں جب کہ وہ شاعری کے تمام منازل طے کر چکے ہوں، چند رباعیاں ملاحظہ فرمایئے:۔

مرنا برحق ہے خوف مرنے سے کیا
جو بات اٹل ہے اس میں ڈرنے سے کیا
مجھنے کی ہے فکر چاند رانی لازم
جو فعل زبوں ہیں ان کے کرنے سے کیا

دنیا کا نہ ساتھ مال و زر جائے گا
کچھ بھی تو پتہ نہیں کدھر جائے گا
ہاں ساتھ چلیں گے چاند رانی اعمال
انسان بھلا برا جو کر جائے گا

مٹھی باندھے جہاں میں آتا ہے بشر
ظاہر ہے وہاں سے کچھ تو لاتا ہے بشر
لیکن سب کھو کے چاند رانی صد حیف
دنیا سے پسارے ہاتھ جاتا ہے بشر

لڑتے ہیں جھٹ زمین زر زن پر لوگ
افسوس نہیں یہ سوچتے اکثر لوگ
کچھ بھی تو نہیں ہے چاند رانی اپنا
ہوتے ہیں ذلیل وہم میں پھنس کر لوگ

جو آج خوشی کے وقت اتراتا ہے
وہ کل کو ضرور غم میں گھبراتا ہے
دنیا میں توام ہیں چاند رانی غم و رنج
انسان وہ نہیں جو ان میں پھنس جاتا ہے

زیور سے نہ زر نہ مال و دولت سے ہے
انسان کی قدر آدمیت سے ہے
فعلوں پہ نگاہ چاند رانی رکھنا

عزت اپنی خود اپنی عزت سے ہے

چاند رانی کے مضامین کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جو رسالہ "زمانہ" میں شایع ہوئے ہیں

نمبر	عنوان مضمون	نام رسالہ	تاریخ اشاعت	
۱۔	میکے کی یاد	رسالہ زمانہ	جولائی	۱۹۱۰ء
۲۔	عورتوں کا اصلی زیور	"	ستمبر	"
۳۔	دکھ	"	جنوری	۱۹۱۱ء
۴۔	موت کے آخری لمحے	"	مارچ	۱۹۱۱ء
۵۔	ہندوؤں کا طرز معاشرت	"	مئی	"
۶۔	فرض	"	جولائی	"
۷۔	عورتوں کی زندگی	"	فروری	۱۹۱۲ء
۸۔	اختتام گرما	"	نومبر	"
۹۔	صفائی باطن	"	جنوری	۱۹۱۴ء
۱۰۔	ہوم رول	"	دسمبر	۱۹۱۸ء
۱۱۔	گانا بجانا	"	جون	۱۹۱۱ء
۱۲۔	یاد مادر	"	اکتوبر	۱۹۲۰ء
۱۳۔	شکوہ	"	فروری	۱۹۲۱ء

روشنی کے کھنڈر

غلام مکرانی۔ ایم اے

راستوں پر وہ روشنی کے کھنڈر
جن میں کرنوں کے بھوت بستے ہیں
جن میں ہر شام، صبح کی روحیں
رقص کرتی ہیں، گیت گاتی ہیں
درد کے آبشار کی صورت!
جن میں جذبات کے حسیں پیکر،
آرزوؤں کی عنبریں زلفیں،
خواب کے لب، خیال کے عارض،
ہر قدم پر پڑے سسکتے ہیں
زخم کے سبزہ زار کی صورت!
آج کی رات جی میں آتا ہے
ان شکستہ عمارتوں پہ کہیں
ایک دیپک جلا کے چھوڑ آئیں
جس کی تابندگی سے صدیوں تک
وقت کے قافلے چلا پائیں!!

حادثہ

شاہد عزیز

اپنے خوابوں کے خاکوں میں
اپنے من کا رنگ رچا کر
کتنی مدت بعد پھر آج
جنگ سے لوٹ کے آیا ہے
وہ اپنے سندر گاؤں میں
وہی ہوائیں، وہی فضائیں
وہی ہیں پنگھٹ تال تلیا
لیکن ملنے جلنے والے
کچھ خاموش نظر آتے ہیں
کچھ کہتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں
وہ بھی اب خاموش کھڑا ہے
گھر کی حالت دیکھ رہا ہے
جس میں ایک کہرام مچا ہے
کیسے بتائیں کیا گزری ہے
نئی نویلی دلہن جس نے
ساجن سے ملنے کی خاطر
جانے کتنی راتیں کاٹی؟
آج اُسی کی موت ہوئی ہے

غزلیں

طالب جے پوری

نہ گھبرائے جو دورِ آسماں سے — خداوندا وہ دل لاؤں کہاں سے
محبت اٹھتی جاتی ہے جہاں سے — کہاں تک آگئی دنیا کہاں سے
بھرم اٹھ جائے گا تیرے کرم کا — نہ اٹھوا مجھ کو اپنے آستاں سے
ہماری بے زبانی کا فسانہ — سنیں گے آپ دنیا کی زباں سے
وہیں پھر آرزو لے جا رہی ہے — جبیں سائی میں اٹھے تھے جہاں سے
وہ کیا خاطر میں لائے ناخدا کو — جو ٹکرا جائے سیلِ بے اماں سے
نہ تھی مجھ سے تو یہ امید طالب
شکایت ان کی اور اپنی زباں سے

طاہر رضوی برقی

مضرابِ غم کی زد میں اگر دل کا ساز ہو — جو شعر ہو غزل کا وہ محفل گداز ہو
لازم ہے حسن و عشق میں کچھ امتیاز ہو — ان کی طرف سے ناز ادھر سے نیاز ہو
شوخی ہو قہر ہو عشوہ و غمزہ ہو ناز ہو — یہ ہوں تو اہلِ دل پہ نہ کیوں ترکتاز ہو
ساقی کی چشمِ مست سے چھلکے اگر نظر — بنتِ عنب سے بادہ کشو احتراز ہو
زنجیر پا رہی ہے اسیرانِ زلف کی — یا رب حیاتِ عشق و محبت دراز ہو
سلجھا رہا ہوں پیچ و خمِ گیسوئے حیات — شاید مرا جنوں سبب امتیاز ہو
دیکھے کوئی عنایتِ محمود کس طرح — کچھ تو وفا پسندیٔ طبعِ ایاز ہو
برقی نزار کشتہ کسی لالہ رخ کا تھا!
پھولوں نے ڈھک لیا کہ نہ افشائے راز ہو

بدیع الزماں خاور

روشنی ہی روشنی ہے شہر میں — پھر بھی گویا تیرگی ہے شہر میں
روز و شب کے شور و غل کے باوجود — اک طرح کی خامشی ہے شہر میں
جو عمارت ہے وہ سر سے پاؤں تک — اشتہاروں سے سجی ہے شہر میں
ریل کی پٹری پہ سو جاتے ہیں لوگ — کتنی آساں خودکشی ہے شہر میں
گاؤں چھوڑے ہو چکی مدت مگر
خاور اب تک اجنبی ہے شہر میں

ڈاکٹر نصرت عثمانی

ناحق پتنگا نارِ ہلاکت میں آ جلا — کس نے کہا تھا شمع کا زریں تاج لا؟
یہ ہے غلط کہ ہجرِ غم منتہا جلا — جلتا تھا دل کو اس پہ صبح و مسا جلا
پیشِ ستم گر آئینہ احتیاج لا — گر یہ نہ ہو سکے تو خود اپنی وفا جلا
پیوندِ داغ طورِ حقیقت بنا جلا — اک آگ تھی کہ جس میں دلِ مبتلا جلا
تاروں کے ٹوٹنے سے وہ گھبرا گئے مگر — اے میری چشمِ سوزشِ پنہاں کیا جلا
مٹ جائے کشمکش طریقِ غمِ حیات
جو اس کو ختم کر دے تو ایسا دیا جلا

مراسلات

"ہمزہ کیوں" کے بارے میں

ہماری زبان بابت یکم مئی، ۸ مئی اور ۱۵ مئی ۱۹۷۷ء کے مسلسل تین شماروں میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا مضمون "ہمزہ کیوں؟" شائع ہوا ہے۔ اس میں بعض امور کی نسبت مجھے اختلاف ہے، ان کا اظہار نیچے کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہمزہ اردو میں صرف اعراب ہے، حرف نہیں ہے۔ برخلاف اس کے عربی میں وہ حرف یا مصمتہ ہوتا ہے۔ اردو میں عربی الفاظ کی صورت میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اردو فارسی میں ہمزہ عموماً علامت اضافت کے طور پر آتا ہے، البتہ اردو میں وہ اعراب کا کام دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے پہلے کوئی مفتوح حرف واقع ہو۔ مثلاً نئے، اُگئے، گئی، بہئی۔

مضمون مذکور میں مثلاً: (۱) آؤ، آئے، آؤں، اور آئیں (۲) کھاؤ، کھائے، کھاؤں اور کھائیں (۳) جاؤ، جائے، جاؤں اور جائیں۔ ان میں ہمزہ (واو یائے) قائم مقام یا بدل ہے، اس لیے ان میں ہمزہ کی ضرورت نہیں صرف واو یائے کافی ہے۔ چنانچہ اس کی توثیق صوتیاتی رسم خط سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ واو "و" اور ے "ے" ہے۔ اوپر کی مثالوں کو جدید املا میں یوں لکھا جائے گا۔

(۱) آو، آے، آؤں اور آئیں (۲) کھاو، کھاے، کھاؤں اور کھائیں (۳) جاو، جاے، جاؤں اور جائیں۔

اردو کے ایسے الفاظ جن میں (ے) کے ماقبل زیر (ہو) ان کو ہمزہ کی بجائے (ے) سے لکھنا چاہیے، کیوں کہ ان میں ہمزہ کی کوئی الگ سی آواز ادا نہیں ہوتی ہے مثلاً: کھائیے، اٹھائیے، آئیے، جائیے اور گائیے کا جدید املا کھایے، اٹھایے، آیے، جایے اور گایے ہے۔

(غلام رسول)

ترقی زبان اردو میں تدریج تنزل

پچھتر برس سے کچھ اوپر ہی کی عمر میں میں نے شعر و ادب کے کئی دور دیکھے ہیں ان میں بعض اہل علم و سخن سنج اساتذہ نے بڑے بڑے مشہور شعرا کے کلام پر تنقیدیں بھی کی ہیں لیکن موجودہ شعرا کی شاعری پر میں نے کسی استاد کی اصلاح یا تنقید نہیں پڑھی۔ حالانکہ آج کے مشہور شعرا فیض، جوش وغیرہ کے کلام پر بھی اصلاح و تنقید ہو سکتی ہے۔

میں نے کیا؟ آپ نے بھی موجودہ زمانہ کے بعض ان مشہور ادیبوں، افسانہ نگاروں کی خود نوشت تحریریں دیکھی ہوں گی۔ جو اردو املا تک درست نہیں لکھ سکتے جیسے کہ میں نے لفظ مزاح کو ضاد سے (مضاح)، اور تشبیہ کو ہائے ہوز (تسبیہ) لکھا دیکھا ہے۔ اس طرح ریڈیو سے بعض مشہور ادبا شعرا کی تقریریں بھی سنی ہیں جن کو توقف کو توقُف، شجاعت کو شجاعت، ثروت کو ثروَت، رفعت رفعت (رفعت عائشہ کو تو سب نے) کہتے سنا ہے۔

لیکن کسی اہل علم و قلم کو ان غلط در غلط الفاظ پر گرفت کرتے نہیں سنا۔ چنانچہ تقریباً ہر ہفتہ عشرہ میں ریڈیو سے فیض احمد صاحب ایم۔ اے فیض کی مشہور غزل سے

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے

نشر ہوتی ہے جس کے مطلع کے دوسرے مصرعہ

چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

پر نہ کسی اہل سخن نے عروض کی غلط نمائی پر گرفت کی نہ مضمون پر البتہ صرف میں نے جنوری ۱۹۷۷ کے لمحات عارف میں اتنا عرض کر دیا تھا کہ گلوں کا کاروبار تو سمجھ میں آ سکتا ہے جن سے گلدستہ یا ہار بنائے جا سکتے ہیں لیکن گلشن کا کاروبار میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

غرض کہ زبان اردو کے صحیح الفاظ غلط الفاظ میں اور ترقی کی بجائے اس بے اتفاقی و تنزل کا باعث خواہ کچھ ہو۔ مگر اہل علم و قلم اساتذہ کی اس بے توجہی سے ہی ایسے بے علم شعرا و ادبائے فلمی اور ریڈیو کے سرِ دو اداروں پر قابض ہونے کی جرأت کی ہے اور کر رہے ہیں جو نہ صرف زبان اردو کے صحیح الفاظ کو غلط الفاظ میں اور ترقی اردو کو تنزل میں تبدیل کر رہے ہیں۔ بلکہ اپنے اور گذشتہ دور کے اساتذہ کے پاکیزہ شعروں کا سرقہ کر کے ناپاک و مضحکہ خیز بنانے کے صلہ میں ہزاروں روپے ان سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے بٹور رہے ہیں۔

مجھے ان کی اس منفعت پر رشک نہیں۔ البتہ رشکؔ لکھنوی کے اس شعر سے

دل لگی اس کو نہ سمجھو تو ہم اک بات کہیں؟
ہم تمہیں دیتے ہیں دل، تم ہمیں کیا دیتے ہو؟

کے پاکیزہ و شستہ شعر کے دلکش مضمون کا سرقہ کر کے کسی خفائی نے فلم پائل کی جھنکار کے ایک گانے میں اپنی ناپاک تنگ بندی سے اپنی شہرت، و شہرت کی مٹی خراب کرنے کا افسوس ہے

ہم نے تو تمہیں دل دے ہی دیا
اب تم ہی بتاؤ کیا دو گے؟

(یہ کیا دو گے کس قدر فحش ہے)

یہ تو فلمی شعرا کے ایک مشہور شاعر کے سرقہ و تنگ بندی کا ایک نمونہ ہے ایسے سیکڑوں نمونے پیش کیے جا سکتے ہیں جو اہل علم و قلم کی بالغ نظروں میں ہر روز آتے ہوں گے لیکن ان پر نہ کسی کی گرفت ہوتی ہے نہ تنقید۔ حالانکہ یہ بیس پچیس برس پہلے کی

بات ہے کہ حفیظ صاحب جالندھری شاید اپنی معرکتہ الآرا تصنیف شاہنامہ اسلام کی طباعت کے سلسلہ میں یا اپنی دیگر شعری تصانیف کی اشاعت کے متعلق ہمارے دفتر میں تشریف لائے تو میں نے ان سے یہ عرض کیا تھا۔ کہ جو آپ ہندی گانوں میں ہندی الفاظ کی بجائے اردو الفاظ ٹھونستے ہیں یہ ٹھنڈ و کرین کا سا معاملہ ہے۔ اس پر حفیظ صاحب نے چونک کر مجھ سے پوچھا وہ کیا؟ میں نے عرض کیا یعنی مٹھاس کی بجائے کڑواہٹ بلکہ سلاست کی بجائے ابہام پیدا ہوتا ہے جیسے کہ کسی تھیٹریکل گانے میں ایک شعر ہے ؎

امبوا کی ڈالی تلے سکھی ری جھولنا جھلا دے

مگر آپ نے اسے اردو الفاظ میں یوں تبدیل کیا ہے ؎

آموں کے نیچے (تلے) ڈالے ہیں جھولے

یہ سن کر حفیظ صاحب کھل کھلا کر خوب ہنسے اور میری اس تنقید کی کھل کر داد دی مگر آج کل کے مصنف اور شاعر تو ہن اور ہین کا امتیاز نہیں رکھتے جیسے کہ ریڈیو کے ایک مشاعرہ میں میں نے سنا تھا۔ کہ مرزا غالب کے اس مصرعہ کو ؎

اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کی بجائے ایک شاعر نے بن آئے نہ بنے دو دفعہ پڑھا۔ شاید انھوں نے بن (بغیر) کو بن جنگل سمجھا ہو؟

الغرض یہ چند سطور ان اہل علم و قلم کے لیے لکھ رہا ہوں جو زبان اردو کے بہی خواہ ہیں خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں۔ ان بااثر اہل علم و قلم و فلم اور ریڈیو کے اداروں میں اثر انداز ہو کر زبان اردو کی ایسی لغزشوں اور مضحکہ خیزیوں کو صاف کرنے یا رکھنے کے لیے ایسے تمام نااہل شعرا اور بے علم ادبا کی ایسی خدمات سے سبکدوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو زبان اردو کی ترقی کی بجائے تنزل کا باعث ہوں۔ (شوقی)

ہم اردو کو سرکاری زبان کیوں تسلیم کرانا چاہتے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے پندرہ بیس سالوں میں اردو زبان پھیلی اور بڑھی ہے۔ اس زبان کا اثر روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ سنیما کی زبان قطعی اردو زبان ہے جسے خواہ مخواہ کے لیے ہندی والے ہندی کہتے ہیں۔ اگر سنیما کی زبان سے اردو کی نظمیں اور مکالمے ہٹا کر ان کی جگہ ہندی کے الفاظ رکھے جائیں تو تصور فرمائیں کیا عوام اس فلم کو پسند فرمائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ میں چیلنج سے کہتا ہوں کہ کوئی پروڈیوسر ہندی کے الفاظ شامل کر کے کسی فلم کو کامیاب بنا لے تو آج سے میں یہ کہنا چھوڑ دوں گا کہ ملک کی واحد عام فہم زبان اردو ہے۔

شری یشپال اور دوسرے ہندی کے ادیب اردو اور ہندی کے مسئلے کو مذہبی رنگ دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے عوام کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور اس طرح سے وہ اردو کے جائز حقوق کی حق تلفی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ میں نے ہندی اور اردو کے مسئلے پر بہت سوچا ہے اور ہمیشہ اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندی کے بقا کے لیے ہی اردو زبان کے بقا کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو فطرت خود بخود پورا کرتی رہتی ہے اردو دشمن عنصر فطرت کے خلاف لڑ کر اس زبان کو مٹا نہیں سکتا ہے۔ اس کا ثبوت پچھلے پندرہ بیس سال کی تاریخ سے مل سکتا ہے کہ فطرت کے خلاف ہندی زبان کو ناجائز طور پر تھوپ کر اس زبان کے پنپنے کی قوت کو کمزور کر دیا گیا ہے۔ اگر یہی حالت بدستور جاری رہی تو ایک دن وہ آئے گا کہ اردو کا حلقہ اور وسیع ہوگا اور ہندی سرکاری دفتروں تک محدود ہو کر رہ جائے گی جسے صرف کچھ لوگ بولتے اور سمجھتے ہوں گے۔

بڑے افسوس کی بات ہے وہ لوگ جو اس زبان کے ذریعے باشعور ہیں اور اسی لیے انسان کہلاتے ہیں اس زبان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آج نہیں تو کل ہندی کے دانشوروں کو بھی اس مسئلے پر سوچنا ہی پڑے گا اور اردو کے جائز حقوق کو انھیں ماننا پڑے گا۔

(حسن شبیر)

ایڈیٹر مخزن پر تحقیقی مواد

میں سر عبدالقادر مرحوم کے حالات زندگی، ان کی خدمات اردو اور خاص طور سے لٹریری جرنلزم میں ان کا حصہ کے موضوع پر تحقیق کر رہا ہوں اور مجھے اگلے پانچ ماہ میں پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں تھیسس پیش کرنا ہے جو بھائی مجھے مخزن، افسر، اردوئے معلیٰ اور دوسرے رسائل سے مدد فرمائیں گے۔ ان کا میں بے حد ممنون ہوں گا سر عبدالقادر کے خطوط، یا ان کے بارے میں جو بھی کوئی صاحب مناسب سمجھیں لکھ کر بھجوا دیں، شکریہ سے ان کا ذکر کروں گا۔

اگر کچھ خرچ آئے گا۔ تو میں خود برداشت کروں گا۔ جو شخص مناسب معاوضہ لیکر مجھے مخزن کے ابتدائی رسائل دے سکیں ان کا بھی میں بے حد شکرگزار ہوں گا۔

مخزن کے علاوہ ۱۸۹۰ سے ۱۹۲۰ تک کے رسائل درکار ہیں۔ جو اس ضمن میں کام آ سکیں۔

جسٹس راج رتن انفارمیشن آفیسر
پریس انفارمیشن بیورو نئی دہلی

...x:x...

علاقائی زبانیں ذریعہ تعلیم

وزیر تعلیم ترقی گوپا سین کا بیان

کلکتہ۔ مرکزی وزارت تعلیم جلد ہی مختلف ریاستوں کی یونیورسٹیوں کے ٹیچروں اور وائس چانسلروں کی کانفرنس طلب کریں گے۔ جس میں اس امر پہ غور وخوص ہوگا کہ علاقائی زبانوں کو کس طرح ترقی دی جائے کہ تمام مرحلوں میں ذریعہ تعلیم بن سکے۔

اس امر کا انکشاف کرتے ہوئے ڈاکٹر ترقی گوپا سین وزیر تعلیم نے بتلایا کہ سلسلہ میں پہلی کانفرنس کلکتہ میں ہوگی۔ مختلف یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں اور ٹیچروں کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے جناب سین نے اپنی وزارت کی کارکردگی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے اور مشترکہ اسکولوں کی قیام کی جو تجویزیں پیش کی ہیں متعدد ریاستوں کی طرف سے ان کی مخالفت ہو رہی ہے آج ساری دنیا میں متعدد ممالک علاقائی زبانوں کے ذریعے ہی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ (ہند آزاد)

بہار میں اردو کے سوال پر جن سنگھ وزارت چھوڑنے کو تیار

مونگیر۔ بہار کے وزیر زراعت جناب وجے کمار مترنے آج یہاں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ اگر اردو بہار کی ثانوی سرکاری زبان بنائی گئی تو ان کی پارٹی جن سنگھ موجودہ متحدہ محاذ کی سرکار سے الگ ہو جائے گی۔

(ساتھی)

اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے

ایس۔ ایس۔ پی سکریٹری کا بیان

لکھنؤ۔ ریاستی سن یکت سوشلسٹ پارٹی کے جوائنٹ سکریٹری جناب محمد شفیع خاں نے آج موجودہ سن یکت ودھائک دل سرکار کے اردو کے بارے میں غیر منصفانہ رویئے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان بنانے کا قانونی طور پر اعلان نہ کر کے حکومت نے جمہوری قدروں کو کمزور اور عوام کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ جناب شفیع خاں نے کہا کہ جو ممبران مسلم مجلس مشاورت کے منشور پر دستخط کر کے اور اس کی حمایت حاصل کر کے جیتے ہیں وہ اردو کے اس کو حقوق دلائیں۔ اور اس کو جلد ہی ریاست کی دوسری سرکاری زبان بنوائیں۔ ورنہ وہ اپنا استعفیٰ دے دیں۔ جناب شفیع خاں نے خاص طور سے جناب اکرسین ایم ایل اے (لکھیریا) سے اپیل کی ہے کہ وہ اردو کے لیے پوری جدوجہد کریں۔ جناب شفیع خاں نے کہا ہے کہ دوسرے وزرا بھی اردو کے لیے لڑیں یا عوام کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مستعفی ہو جائیں۔

انھوں نے موجودہ سرکار کے وزرا سے اپیل کی ہے کہ وہ انصاف پسندی اور دیانت داری کا ثبوت دیں۔

جناب شفیع خاں نے جناب شرافت حسین سے اپیل کی ہے کہ وہ بھی جناب چندر بلی سنگھ ایم۔ ایل۔ اے صدر سوشلسٹ پارٹی اتر پردیش کی طرح سن یکت ودھائک دل سے استعفیٰ دیں جیسا کہ انھوں نے عوام سے کہا تھا۔

(قومی آواز)

لکھنؤ کے شاعر کے نام ذاکر صاحب کا خط

یہ خط ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھنؤ کے ایک اردو شاعر سلمان عباسی کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔ بجرالرقابہ لکھنؤ

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔

"نوازش نامہ مورخہ ۵ رجون مجھے ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ میں نے غور سے آپ کی تحریر پڑھی میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی زبانوں کے تحفظ کے معاملہ میں آپ کا ہم خیال ہوں۔ اردو کو مختلف علاقوں میں سرکاری زبان کا درجہ دینے کے مطالبہ کا جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے ہمیشہ حامی رہا ہوں اور میرے خیال میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی مگر جس اعلان کے متعلق آپ نے لکھا ہے وہ میں ابھی نہیں کہہ سکتا کہ کب ہوگا حدود دستور ہند کے اندر وہ کر جو کچھ کوشش میں کر سکتا ہوں اس میں انشاء اللہ دریغ نہیں کروں گا۔

والسلام

مخلص ذاکر حسین

صوفیا گرلس کالج میں بی، اے اسپیشل اردو کی کلاسیں

صوفیا گرلس کالج بمبئی میں امسال سے بی، اے اسپیشل اردو کی کلاسیں جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو اردو دوست حلقوں میں انتہائی مسرت و اظہار کا باعث ہوگا۔

صوفیا کالج وہ واحد ادارہ ہے۔ جو مسلم پردہ نشیں طالبات کو تعلیمی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اوّل تو مخلوط تعلیم نہیں ہے دوسرے یہ کہ معیار تعلیم بھی بہت بلند ہے۔ عرصہ دراز سے اس کالج میں بی اے جنرل اردو کا انتظام تھا۔ لیکن انٹر پاس کرنے کے بعد اسپیشل اردو

کا انتظام نہ ہونے کی وجہ طالبات مضمون یا کالج تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتی تھیں۔ مسلم طالبات کی اس دشواری کے پیش نظر پرنسپل صاحب نے مذکورہ کلاس جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے بمبئی یونیورسٹی کے حکام نے بھی فیاضی سے کام لیتے ہوئے اردو کی کلاس کے اجرا کی خصوصی اجازت دیدی ہے۔

صوفیا کالج میں اردو شعبہ کو ترقی دے کر مکمل ڈپارٹمنٹ بنا دیا گیا ہے۔ جس کے سربراہ پروفیسر فصیح احمد صدیقی صاحب ہوں گے اردو لائبریری کو بھی طالبات کی متوقع ضروریات کے مطابق وسعت دیدی گئی ہے۔

انٹر آرٹس اردو کے ساتھ پاس کرنے والی طالبات اب نہایت آسانی سے بی۔ اے اسپیشل کی کلاسوں میں داخلہ لے سکتی ہیں داخلے کے فارم کالج میں ملنے شروع ہو گئے ہیں۔

(ہندوستان)

سنیکت سوشلسٹ پارٹی نے اردو کو بہار اور یوپی میں علاقائی زبان بنانے کا فیصلہ کیا ہے

پٹنہ۔ وزیر صحت بہار جناب بندیشوری پرساد منڈل نے گوریا (چپارن) میں ایک عام جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری سرکار، عوامی مطالبہ پر سنجیدگی سے غور کرتی ہے اور لوگوں کے دکھ درد کو دور کرنے کے لیے ٹھوس قدم اٹھاتی ہے۔

زبان کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہماری پارٹی نے اردو کو بہار اور یوپی میں علاقائی زبان قرار دینے کا فیصلہ کیا ہے اور ہم اس پر جلد ہی عمل کرنے جا رہے ہیں وزیر موصوف نے کہا کہ ہماری پارٹی نے ذات پرستی کو ختم کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ تاکہ سبھی اپنے کو ہندوستانی سمجھیں۔

(سنگم)

کاماریڈی میں اردو کانفرنس

کاماریڈی۔ انجمن ترقی اردو کاماریڈی کے زیر اہتمام ضلع اردو کانفرنس کے انعقاد کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ اس کانفرنس میں اردو تعلیم کے مسائل پر غور ہوگا اور ضلع میں تعلیمی مہم کو تیز اور موثر بنانے کے لیے لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ علمی اور ادبی موضوعات پر سمینار منعقد ہوں گے اور ایک مشاعرہ بھی ترتیب دیا جائے گا۔ کانفرنس کی صدارت سر نیواس لاہوٹی کریں گے اور مخدوم محی الدین صاحب مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کریں گے۔

(ترقی اردو)

انجمن ترقی اردو فاربس گنج کی تشکیل نو

فاربس گنج پبلک اردو لائبریری کے زیر اہتمام لائبریری ہال میں یہاں مقامی انجمن ترقی اردو فاربس گنج شاخ کی ایک عام میٹنگ جناب مولوی سرفراز احمد استھانوی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں موجودہ حالت میں انجمن کی سرگرمیوں پر غور کیا گیا اور اس کی سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لیے پرانی کمیٹی کو ختم کر کے مندرجہ ذیل حضرات کی ایک نئی کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ صدر جناب پروفیسر محمد صابر فاربس گنج کالج۔ نائب صدر جناب محمد سہیل احمد شو مرچنٹ۔ جنرل سکریٹری جناب محمد شبیر عزمی۔ سکریٹری جناب مولوی سرفراز احمد استھانوی۔ جناب بابو محمد نسیم احمد ٹھیکیدار صاحب۔ جناب محمد ایوب انصاری۔ (سنگم)

سری ہرگوبند پور میں بزم ادب کا قیام

اردو کی فلاح و بہبود کے لیے قصبہ سری ہرگوبند پور ضلع گورداس پور میں بزم ادب قائم کی گئی۔ حال ہی میں جناب رتن چند روی کی زیر صدارت مقامی شعرا پر مشتمل ایک مشاعرہ ہوا صاحب صدر نے "اردو کا مستقبل" کے عنوان سے مقالہ پڑھا جس کے زیر اثر اردو کی تعلیم مفت دینے کا فیصلہ ہوا۔

(رام پال مخلص سکریٹری)

اردو کا مستقبل روشن ہے کشمیر کے گورنر بھگوان سہائے کا اظہار خیال

سری نگر۔ گورنر بھگوان سہائے نے کہا ہے کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اردو کا مستقبل بھی شاندار ہے۔

وہ یہاں آل انڈیا یونیورسٹی اردو ٹیچرز کانفرنس کا افتتاح کر رہے تھے انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اردو والوں کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اردو کے لیے ایک کم خرچ اور سائنسی رسم الخط اختیار کیا جائے۔

کانفرنس میں شریک ہونے والے ایک سو کے لگ بھگ اساتذہ اردو کو مقبول بنانے اور یونیورسٹیوں میں اس کی تعلیم کے امکانات پر بحث کریں گے۔ ان اساتذہ میں مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر آل احمد سرور، الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر احتشام حسین اور عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر مسعود حسین خاں شامل ہیں۔

(قومی آواز)

ہزاری باغ ضلع اردو کانفرنس کی تجاویز

گری ڈیہہ۔ انجمن ترقی اردو شاخ گری ڈیہہ کے زیر اہتمام ہزاری باغ ضلع اردو کانفرنس میں مندرجہ ذیل تجاویز اتفاق رائے

سے منظور ہو گئی۔

ہزاری باغ ضلع اردو کانفرنس کا یہ اجلاس اس امر پر اپنے اطمینان و اعتماد کا اظہار کرتا ہے کہ ریاست بہار کی نئی حکومت کے وسیع النظر عناصر نے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے مطالبے کی تعمیل میں اردو کو بہار کی علاقائی اور دوسری سرکاری زبان بنا لئے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس فیصلے کا ذکر حکومت ۳۳ نکاتی پروگرام کے علاوہ گورنر کے خطبے میں بھی شامل کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ نئی حکومت کے اہم ذمہ داروں نے عوامی طبقوں میں بھی بار بار اپنے کئے ہوئے عہد کی تکمیل کا واضح اور قطعی یقین دلایا ہے اس سلسلے میں یہ امر بھی موجب مسرت ہے کہ حکومت کے متعدد اداروں اور محکموں میں اردو کے لیے سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں اور ساتھ ہی اردو کے حقوق کی نگہبانی کے لیے ریاستی انجمن کے نمائندوں کو بھی متعین کیا جا رہا ہے۔

لیکن یہ اجلاس اس امر پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ اب تک ریاستی انجمن ترقی اردو کے اصل مطالبے کو پورا نہیں کیا گیا ہے اور بہار میں اردو کو علاقائی اور دوسری سرکاری زبان قرار نہیں دیا گیا ہے لہذا یہ اجلاس ایک طرف حکومت بہار کو جتا دینا چاہتا ہے کہ بہار کے اہل اردو اپنے اصل مطالبے سے کم کسی بات پر راضی نہ ہوں گے اور وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک بہار میں اردو کو علاقائی اور دوسری زبان قرار نہیں دیا جاتا ہے دوسری طرف یہ اجلاس بہار کے اردو عوام کو متنبہ کرتا ہے کہ ابھی اردو کے حقوق کے لیے ان کی لڑائی ختم نہیں ہوئی ہے۔ لہذا وہ اپنی کمر ہمت پہلے کی طرح کس لیں اور کسی قسم کی غفلت اور سستی کو راہ نہ دیں۔ بلکہ انتہائی بیداری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اپنے محاذ پر ڈٹے رہیں۔ اس سلسلے میں بہار کی اردو آبادی کا فرض ہے کہ وہ انجمن کی ممبر سازی کی مہم میں بڑھ چڑھ کر اپنا تعاون پیش کرے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن کے ممبر بنانے میں زور دے۔

یہ اجلاس حکومت بہار سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد بہار میں اردو کو علاقائی اور دوسری سرکاری زبان قرار دینے کے لیے ضابطے کی آئینی و دستوری کارروائی کرے اور اس طرح اپنے وعدے کو وفا کر کے بہار کی اردو آبادی کو مطمئن کرے، ورنہ اردو عوام اپنے معقول جائز اور جمہوری مطالبے کو منوانے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں اور وہ اس وقت تک اپنی جد و جہد پورے زور و شور کے ساتھ جاری رکھیں گے جب تک ان کا مطالبہ پورا نہ ہو جائے گا۔

انجمن ترقی اردو شکر نگر کے زیر اہتمام مشاعرہ

انجمن ترقی اردو شکر نگر کے زیر اہتمام برمکان عبدالحمید صاحب ظریف بہ صدارت جناب محمد یوسف علی صاحب (نقل شاہ) منعقد ہوا جس میں تبسم، شور، تمکین، معتبر، ظریف، اکرم، تسلیم، شیدا، صابر، منصف صاحب نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ آخر میں معتمد انجمن ہذا نے تقریر فرماتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ انجمن ہذا کی جانب سے نو تشکیل ہائی اسکول میں اردو کی پہلی و دوسری جماعت کے قیام کے لیے اور مدرسہ فوقانیہ نسواں شکر نگر میں تربیت یافتہ معلمات کے لیے محکمہ تعلیم میں نمائندگی کی گئی ہے

(شیدا احمد مدوسی)

شاہد احمد دہلوی کے انتقال پر بزم ادب کروڑی مل کالج کا تعزیتی جلسہ

دلی۔ یہ دلسوز و دلدوز خبر ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں عام طور پر اور دلی میں خاص طور پر بڑے حزن و ملال کے ساتھ سنی گئی کہ ماہنامہ ساقی کے ایڈیٹر ڈپٹی نذیر احمد کے نبیرہ ہند و پاک کے مشہور ادیب اور دلی کی روشن روایات کے علمبردار شاہد احمد دہلوی کا حرکت قلب بند ہو جانے سے کراچی میں اچانک انتقال ہو گیا۔

بزم ادب کروڑی مل کالج دلی یونیورسٹی کا ایک تعزیتی جلسہ ڈاکٹر خلیق انجم صدر شعبۂ اردو کالج کی صدارت میں منعقد کیا گیا جس میں شاہد مرحوم کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی گئی۔

صدر جلسہ کی تقریر کے بعد طلبہ میں محمد رضا اور تسلیم احمد نے شاہد صاحب کی زبان اور خاکہ نگاری پر روشنی ڈالی اور ان کی بے وقت موت کو زبان و ادب کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا، بعد میں ڈاکٹر کامل دہلوی ایم۔ اے پی ایچ ڈی نے ایک تعزیتی قرارداد پیش کرتے ہوئے شاہد صاحب کی ادبی تخلیقات پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

(سکریٹری بزم ادب)

ہندی ریاستوں نے سنسکرت کو لازمی قرار دیکر

سہ لسانی فارمولہ کی روح فنا کر دی

نئی دلی۔ باخبر حلقوں کے اندازہ کے مطابق زبان کے سوال پر دوبارہ شدید اختلافات کے اٹھ کھڑے ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اس اندیشے کی بنا یہ بتائی گئی ہے کہ تین ریاستوں کے علاوہ باقی تمام ریاستیں سہ لسانی فارمولہ کو عملی شکل دینے میں ناکام رہی ہیں۔ مہاراشٹر، گجرات اور کیرالا کے علاوہ باقی دوسری ریاستیں سہ لسانی فارمولہ کو تسلیم کرنے کے باوجود صرف دو لسانی فارمولے پر ہی عمل کر رہی ہیں۔ انھیں حلقوں نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ لسانی بل پر پارلیمنٹ میں مباحثے کے دوران ہندی کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان شدید قسم کا ٹکراؤ ہوگا۔

سہ لسانی فارمولہ کو موجودہ شکل میں برقرار رکھا جائے یا اس کی جگہ پر دو لسانی فارمولہ رائج کیا جائے اس سوال پر شدید اختلاف رائے متوقع ہے۔ واضح رہے کہ سہ لسانی فارمولہ کو ریاستی وزراء انجمن نے ۱۹۶۱ء میں اتفاق رائے سے منظور کیا تھا اور مرکزی وزارت داخلہ نے ریاستوں کو ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کیا جائے۔

سہ لسانی فارمولہ پر جس طرح عمل کیا جا رہا ہے یہ بات بڑی ہی تعجب خیز ہے مثال کے طور پر مدراس میں ہندی کو اختیاری مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ جبکہ آندھرا پردیش میں اس میں پاس ہونے کے لیے صرف پندرہ نمبروں کی ضرورت ہے۔ میسور نے ہندی کو لازمی قرار دیا ہے۔ لیکن طلبہ کو اس میں امتحان دینے کی ضرورت نہیں۔

تمام نہاد ہندی ریاستوں میں ہندی اور انگریزی کو لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہے لیکن ان ریاستوں نے کمال ہوشیاری کے ساتھ سنسکرت کو جدید ہندوستانی زبان کہہ کر اس فارمولہ کی روح کو بھی فنا کر دیا کشمیر میں ہندی اردو اور انگریزی کو لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہے لیکن کشمیری کو اس فارمولے کے تحت نہیں رکھا گیا ہے جبکہ اسے مادری زبان کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے اڑیسہ میں بچوں کو چار زبانیں پڑھائی جاتی ہیں اڑیہ کو جدید ہندوستانی زبان کی حیثیت حاصل ہے اتر پردیش اور مدھیہ پردیش میں طلبہ کو عملی طور پر صرف دو زبانیں ہی پڑھائی جاتی ہیں یو۔پی میں جنوبی زبانوں کو پڑھانے کے مراکز قائم ہیں لیکن ان میں کوئی طالب علم داخلہ ہی نہیں لیتا۔ مغربی بنگال میں بنگلہ۔ ہندی اور انگریزی کے علاوہ سنسکرت کو بھی لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔

غرض کہ یہ بات اپنی جگہ پر سو فیصد درست ہے کہ سہ لسانی فارمولہ کے تحت طلبہ پر زبان سیکھنے کے جس بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کی گئی تھی وہ قطعی طور پر ناکام رہی اور تمام ہندی اور غیر ہندی ریاستوں نے اس فارمولہ پر جس طرح عمل کیا ہے اس سے اس کا پورا مقصد ہی فوت ہو کر رہ گیا ہے۔ (الجمعیۃ)

حکومت بہار نے ہر ضلع کی ایجوکیشن پلاننگ کمیٹی میں انجمن کا نمائندہ نامزد کر دیا

پٹنہ۔ محمد اظہار عالم آفس سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو دفتر واقع تالاب زار منزل محلہ دریاپور پٹنہ ۴ نے مندرجہ ذیل خبر بغرض اشاعت ارسال کی ہے۔

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے مطالبہ اور صدر انجمن کی تحریک پر نائب وزیر اعلیٰ بہار شری کرپوری ٹھاکر وزیر تعلیم و مالیات نے ریاست بہار میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن پلاننگ کمیٹیوں میں انجمن کے نمائندوں کو نامزد کر دی ہے۔ چنانچہ   ہو گیا ہے اور ممبروں کو اطلاع کے خطوط بھیجدیئے گئے ہیں۔ یہ ایک اہم اگلا قدم کامیابی کی طرف ہے یہ کمیٹی ضلع بھر میں ابتدائی تعلیم کے معاملہ میں اہم اور کلیدی رول ادا کرتی ہے۔ پرائمری تعلیم کے متعلق نئے اسکولوں کے قیام یونٹ کی منظوری ٹیچروں کی بحالی وغیرہ کا سارا اختیار کمیٹی کو ہوتا ہے۔ حکومت نے یہ ہدایت دی ہے کہ دس فیصد اساتذہ اردو داں بحال کئے جائیں۔ ہر سال بارہ ہزار پرائمری ٹیچرس بہار بھر میں بحال ہوں گے۔ گویا بارہ سو اردو ٹیچرس بحال کئے جائیں گے۔ امیدواروں کو اپنی درخواستیں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کے پاس دینی چاہیے۔ بحالی کمیٹی کرے گی تمام مقامی شاخوں اور ہر جگہ کے اردو دوستوں کا کام اب پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ کہاں کہاں نیا اسکول کھلنا ہے کہاں یونٹ کی ضرورت ہے، کہاں اردو ٹیچر کی بجائے سنسکرت یا ہندی ٹیچر بھیج دیا گیا وغیرہ وغیرہ کے اعداد و شمار اردو دوستوں اور انجمن کی شاخوں کو جمع کر کے کمیٹی کے ممبر سے ملنا ہے۔ اور کمیٹی کے ممبر کا فرض ہوگا کہ وہ میٹنگ میں انجمن کے نقطہ نظر سے ضلع کی اردو آبادی کے جائز حقوق کی دادرسی موثر طور پر کرا سکے۔

اردو اکیڈمی قائم کرنے کے لئے گورنر کشمیر کا مشورہ

سرینگر معلوم ہوا ہے کہ ریاست کشمیر کے وزیر جناب بھگوان سہائے نے تجویز پیش کی ہے کہ شمالی ہند میں اردو ادب کو ترقی دینے کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی جائے۔ (قائد)

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔ (ادارہ)

صفحہ ۲ سے آگے

کوئی اس رنج غم اندوز کی تدبیر نہیں
بیچتے جی ان سے نہیں اپنی یہ تقدیر نہیں
دور اپنا ہے یہ دور فلک پیر نہیں
دل میں طاقت نہ رہی آہ میں تاثیر نہیں
کس نے آرام نہ چرخ کہن پایا ہے
روز اول سے اسی طرح چلا آیا ہے

شاگردان برق برق کے شاگردوں کی فہرست کوئی طویل نہیں لیکن خوش نصیبی سے ان کو تین ایسے شاگرد ملے جن کے واسطے سے استاد کا نام اور ان کے فیضان کا سلسلہ ایک طویل مدت تک قائم رہے گا وہ یہ ہیں شیخ امان علی سحر اسید ضامن علی جلال اور مولوی ہادی علی اشک۔ سحر کے شاگرد سفیر بلگرامی، جلال کے شاگرد علامہ آرزو لکھنوی اور اشک کے شاگرد محسن کاکوروی ہوئے۔ ان شعراء نے شاعری کی اصلاح کی اور اسے لفظی صنعت گری، خارجیت، ابتذال اور رکاکت سے پاک صاف کیا پھر مضمون آفرینی، حقیقت متانت اور تہذیب سے ہم آہنگ کر کے لکھنوی شاعری میں ایک تازہ روح پھونک دی۔

(۱) نواب واجد علی شاہ اختر (۲) دلیر الدولہ مرزا حیدر خان حیدر (۳) میر بہادر حسین نزاکت (۴) مرزا علی رضا رضا (۵) میر علی حسین طوفان (۶) میر دلدار نور (۷) مرزا سرفراز علی جری (۸) الہ یار خاں سحاب (۹) علی نقی خاں عرف پیارے صاحب نقی (۱۰) میر محمد علی حکیم (۱۱) مرزا کریم بیگ شفا (۱۲) خوش وقت علی خاں خورشید (۱۳) میر ہادی علی اشک (۱۴) شیخ امان علی سحر (۱۵) مرزا احسین علی خاں تہور جنگ ممتاز (۱۶) میر ضامن علی جلال۔

تبصرہ

شہ سوار

نگار فکر

کریم اسعدی

قیمت:۔ تین روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ:۔ دفتر مجلس اشاعت بھاگلپور

۱۸۴ صفحات کے اس شعری مجموعے میں کریم اسعدی صاحب کی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ غزلوں میں کہیں کہیں تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے لیکن نظموں کا عام انداز روایتی ہے تقریظ میں جمیل مظہری صاحب نے کے۔ ایم۔ اسعدی صاحب کی شاعری کی اہم خصوصیات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سب سے اہم خصوصیت جس کی داد جمیل مظہری صاحب نے تقریظ میں اور الیوز عثمانی صاحب نے مقدمہ میں دی ہے وہ یہ ہے کہ کریم اسعدی صاحب نے فن کے جملہ تقاضوں کا لحاظ رکھا ہے۔ فن کے تقاضوں سے یہاں دونوں بزرگوں کی مراد زبان، بیان اور عروض و قوافی سے ہے۔ غزلوں کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

زمانہ زد میں ہے تاریکیوں کے سائے کی
چراغ فکر جلاتا ہوں روشنی کے لیے

کس کی زنجیروں کی ہے جھنکار یہ
ایک عالم گوش بر آواز ہے

بہار آئی ہے اک دھوم ہے کرم ہر سُو
ترس رہی ہے نمو کو کلی اب تک

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا